افلاطون، عینیت اور اقبال

ح ۔ عامر ریسرچ اسکالر شعبۂ فلسفہ علی گڈھ یونیورسٹی

(قسط دوم)

افلاطون تجربے کی دنیا سے اوپر اٹھ کر ایک "غیر متغیر" نقطے پہ جا پہنچتا ہے۔ جہاں دعام تصور کی دنیا آباد ہے۔ ہم ایک چیز کو دیکھتے ہیں مثلاً مچھلی۔ دنیا میں جتنی مچھلیاں ہیں ان کا ایک تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے۔ ایسے ہی تمام اشیاء کے متعلق۔ ہم تصورات سے آنکھ مچولی کھیلتے ہیں۔ اُن کے متعلق باتیں ہوتی ہیں لیکن بجائے خود ان تصورات کا وجود کہاں ہے ہم دکھانے سے قاصر ہیں۔ کیا ہم عام اشیاء کے متعلق ایسا سوچتے ہیں ؟ —— اور سوچا بھی نہیں جا سکتا —— کیونکہ قدم قدم پہ وقت اور تبدیلی کا احساس پھنکارتے ہوئے ناگ کی طرح موجود ہے۔ افلاطون عقل کے سہارے ان "تصورات" تک جا پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ عقل کی ہی تخلیق ہیں۔ یہ تصورات تبدیلی Change اور وقت Time سے ماوراء ہیں اور ایک خاص دنیا میں ہیں۔ یہ تصورات نہ صرف عام چیزوں بلکہ علم تک کے تخلیق کار ہیں۔ اس دنیا میں قدم قدم پہ تبدیلی اور اس دنیا (تصورات) میں سکون اور ٹھہراؤ، نظریۂ اعیان کو سمجھنے کے لیے لائبنز اور برکلے کی آراء کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ لائبنز کا اگرچہ کم و بیش وہی نقطۂ نگاہ ہے جو افلاطون کا ہے لیکن برکلے ان دونوں سے الگ اپنی راہ تعین کرتا ہے۔

برکلے کا خیال ہے کہ کسی بھی شے کا وجود ذہن سے باہر نہیں۔ لیکن ایک نکتہ یہاں ذرا اہم ہے، برکلے پھر بھی اپنے آپ کو 'عینی' نہیں بلکہ 'غیر مادی' کہتا ہے۔ اور مادہ کا انکار اس کے ہاں صرف اس لیے ہے کہ "تصور اور ذہن" کو اصل تصور کیا جائے " اور تمام چیزیں ان کیفیات کی ایک زنجیر سی ہے جو ہمارے ذہن میں ایک ایسی وجہ سے جنم لیتی ہے جو سراسر غیر مادی ہے[4]" یہ شے کیا ہے۔ یہ خدا کا تصور ہے۔

افلاطون نے تصور کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے سقراط کے Dialectical method کا استعمال کیا ہے جو بحث برائے بحث نہیں بلکہ عام 'حس' سے اوپر اٹھ کر شے کے تصور کو پاتا / پا / پاتا ہے[5]

افلاطون نے نظریۂ اعیان کو واضح کرنے کے لیے تاریک گپھا کی تمثیل کا بہترین استعمال کیا ہے۔ اس تاریک غار میں کچھ آدمی رسیوں سے بندھے پڑے سامنے دیوار پر لگے پردے پر ابھرتی ہوئی پرچھائیوں کو حقیقت سمجھتے ہیں، جو غار کے دہانے پہ جلائی ہوئی آگ سے منعکس ہوتی ہیں، ابھرتی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک آدمی باہر آجائے، یہاں کے ماحول سے مطابقت پیدا کر کے اشیار کو دیکھے (اور آخر میں سورج کو) تو اس کی آنکھوں کے سامنے ایک نئی دنیا کا تصور آئے گا۔ افلاطون نے اچھائی (good) کو تصورات کی زنجیر کی آخری کڑی کے طور پہ لیا ہے جو سب سے اعلیٰ علم بھی ہے اور خوبصورتی کے مماثل بھی —

ہیگل کا Dialectical method ایک نیا موڑ ہے۔ اس کا خیال ہے "The human mind is but one Particular aspect of a cosmic process, a world Embracing system which has a logical and rational

---

۵ Ibid (حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

ہیگل اگرچہ مادہ کے وجود، Structure, in its own right." [1]
کا منکر نہیں۔ لیکن اسے روح کے مقابلے میں کمتر تصور کرتے ہوئے حدود میں مقید
کر دیتا ہے۔

آگہی ذات ہیگل کے ہاں تمام حدود کی تخلیق کرتا ہے۔ ہیگل کے خیال میں یہ دنیا
غیر محدود آگہی ذات کی طرف ارتقاء پذیر ہے جسے وہ حقیقت اولیٰ قرار دیتا ہے۔

افلاطون نے نظریۂ اعیان کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ہر ایک تصور کا اپنا ایک
نقطہ بنتا ہے، اور وہاں پر وہ ایک سچا اور غیر فانی وجود بن جاتا ہے۔

فلسفہ عینیت فطرت پرستی Naturalism اور وجودیت یا شیئیت
پسندی Realism دونوں کا رد ہے۔ فطرت پرستوں کا خیال ہے کہ ذہنی اور روحانی
قدریں مادہ کے حدود میں سمٹی ہوئی ہیں۔ یعنی وہیں سے ابھری ہیں اور وہیں پہنچ کے یہ ختم
ہو جاتی ہیں۔ شیئیت پسندوں کا خیال ہے کہ اشیاء بجائے خود اپنا ایک الگ وجود رکھتی
ہیں۔ چاہے ہم انھیں دیکھیں "Perciere" یا نہ دیکھیں۔ اور فلسفہ عینیت ان دونوں
کو رد کرتے ہوئے اس رائے کا حامل ہے کہ "Mind and Spirituale
Values are fundamental in the world as whole"
یعنی فلسفہ روح کو اور فلسفہ مادیت، مادہ کو بنیادی حقیقت "world as whole" تصور کرتا
ہے۔ اسی بناء پر اشتراکی مفکرین کا خیال ہے کہ فلسفہ کے دو ہی اسکول ہیں ۱۔ عینی ۲۔ مادی۔

ہر بڑے مفکر نے اپنے سماج کو متاثر کیا اور کرتا ہے۔ سماج میں موجود تصورات
'Existing' کو تبدیل کرنے ہی میں نہیں بلکہ ان کی تشکیل نو reconstruction

---

[1] (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) Greek thought. A Hist. of Muslim phil M.M. Sharif 93.94

[2] J.G. Brenan.

میں بھی اسے خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ سماج اور مفکر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ علم انسانی کبھی بھی تنہائی (Solitude) کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ انسان کا بحیثیت انسان، ایک دوسرے کو سمجھنا، سماج اور سماجی میل ملاپ، ماحول اور حالات، علم کو جنم دیتے ہیں۔ اگر ہم ایک مفکر کو اس کے سماجی، اقتصادی، سیاسی، مذہبی، تعلیمی اور فکری پس منظر سے الگ کریں تو اس کے تصورات واحساسات کو سمجھنا درکنار محسوس بھی نہیں کر سکتے۔ ہر ایک مفکر کے تصورات واحساسات کو اس کے دور کے آئینے میں دیکھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے کہ اس کے پیش روؤں کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ یہ کہنا بے معنی سی بات ہو گی کہ کوئی بھی مفکر absolutely original ہے کیونکہ

"No thinker can be said to be absolutely original, he is bound to construct his own system on the basis of what his predecessors might have done or attempted to have done."[1]

اقبال نے مشرقی اور مغربی فکر کا گہرا مطالعہ کر کے اپنی فکر کا ڈھانچہ ترتیب دیا۔ اس کی فکر میں کئی نقوش ہیں۔ وہ یک رنگ نہیں۔ اس کی فکر کو کسی خاص ازم کے ڈھانچے میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔

"You could call him a spiritaalist, because he held the spirit to be the basic reality or

---

[1] A Study in Iqbals Philosophy. B.A. DAR.

you could call him an Idealist. with greater definiteness one could hold him to be a creative evolutionist. As a stonch believer in a Personal god, he was also a theist. Believing that all existence is Constituted of ego's or Selves one could class him with Rumi and Bergson as a monadologist." ۱

اس کی فکر میں کئی مختلف تصورات کا سنگم ہے۔ اس کی فکر کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ جاننا ذرا بھی مشکل نہیں — مثلاً اس کی فکر میں 'وقت' بھی ہے اور 'خودی' بھی، 'عشق' بھی ہے اور 'عقل' بھی۔ 'انا' بھی ہے اور 'انائے مطلق' بھی۔ اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ

"Iqbal Succeeded in removing the fragmantriness of different systems of thought and beliefs, dissolving the half-truths into the ~~unity~~ one great truth" ۲

مختلف اور منتشر اجزائے فکر کو یکجا کرنے کا ایک خاص مقصد علامہ اقبال کے ذہن میں یہ تھا کہ پریشان حال مسلمان اور منتشر اسلامی قوتوں کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھ سکیں جو ایک تو انھیں راس آئے، ان کے حالات سے مطابقت پیدا کرے اور اس گول کی طرف ان میں حرکت پیدا کرے (جو اقبال کے ذہن میں تھا)

Renaissonce in indo Pakistan (cont)
Iqbal, ~~Khalifa~~ Abdul Hakim.

اقبال کا انداز فکر حرکی ہے، جمود کے نشانات کا دور دور تک اس میں کہیں پتہ ہی نہیں ملتا۔ اس نے مختلف تصورات کو لے کر اسی نقطۂ نگاہ سے ان کی تشکیل نو کی۔ اقبال کا نثری شاہکار "Reconstruction of Religions thought in Islam" اس بات پہ گواہ ہے کہ اقبال بدلتے ہوئے حالات میں (زمانۂ جدید) مسلمان کو اس جگہ دیکھنے کا متمنی ہے جہاں اس کے ہاتھ میں دنیا کی تقدیر ہو یعنی وہ اسے ایک فعال قوت کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا ظاہری اور داخلی نتیجہ (دونوں صورتوں میں) یہی ہے کہ اس نے چند تصورات کو بہت اہمیت دی۔ مثلاً حقیقت اور وقت کا خلاقی تصور ان، انسانی خودی، انا، انائے مطلق، آزادی، عشق وغیرہ۔ اس کی فکر کے ساتھ ساتھ اس کی شاعری میں انہی افکار نے نشوونما پائی۔ فکر اقبال میں تبدیلی اور وقت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کی فکر کے یہ دو جز سمجھنے میں اگر ذراسی چوک ہو جائے تو عمارت کا نقشہ ہی عجیب وغریب ہوگا۔ اقبال نے ان فلاسفر کی شدید تنقید کی جو وقت کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ اس نے افلاطون کے فلسفہ اعیان پہ (جو بنیادی حقیقت بن جاتے ہیں) اس لیے تنقید کی کہ وہ جمود اور ٹھہراؤ کی نمائندگی کا حق ادا کرتا ہے۔ افلاطون تصور کو ایک ایسی شے مانتا ہے جو تبدیل نہ ہو، جس میں تغیر نہ ہو، بلکہ ٹھہراؤ اور جمود ہو، اس دنیا کی تمام چیزیں ان تصورات کی مبہم پرچھائیاں ہیں۔

دنیا کی ہر شے میں مکمل ہونے کا جذبہ ہے۔ ہر شے چاہتی ہے کہ وہ مکمل بنے اور یہی جذبہ تبدیلی کی بنیادی وجہ ہے۔ اور تبدیلی کا احساس وقت سے الگ ہو ہی نہیں سکتا۔ جہاں تبدیلی change ہے وہاں وقت Time بھی ہے۔ اس مقام پہ چیزیں ثانوی حیثیت میں رہ جاتی ہیں، نہ کہ بنیادی۔ صرف وہی چیزیں حقیقی real ہیں جو تبدیل نہ ہوں اس لیے افلاطون کا خیال ہے کہ "تصوراتی جہان" میں تبدیلی

نہیں۔ تصورات وقت میں مقید نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ حقیقی نہ ہوتے۔ اس لیے افلاطون وقت اور تبدیلی دونوں کی نفی کرتا ہے۔

اسرار خودی اور دوسری کتابوں میں اقبال نے افلاطون کو خلاف حقیقت اور خلاف اسلام قرار دیا ہے۔ وہ اسے "بے حرکت" اور "مردہ" ہی قرار نہیں دیتے، بلکہ "انسانیت کو گمراہ کرنے والا" کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ ۵

بس کہ از ذوقِ عمل محروم بود — جانِ او وارفتۂ معدوم بود
منکر ہنگامۂ موجود گشت — خالق اعیان نامشہود گشت

افلاطونی عینیت، حقیقت کو وہم اور خیال کو حقیقت بنا دیتی ہے۔ ۵

فکر افلاطوں زیاں را سود گفت — حکمت او بود را نابود گفت
رخش او در ظلمتِ معقول گم — در کہستانِ وجود افگندہ سم
آنچناں افسونِ نامحسوس خورد — اعتبار از دست و چشم و گوش برد

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے اس بات کی سعی کی ہے کہ افلاطونی فلسفہ کو 'مردہ'، انسانیت کو گمراہ کرنے والا اور خلاف اسلام نہ سمجھا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ افلاطون کا نظریۂ اعیان غیر اسلامی نہیں۔

" اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ ظاہر ہے کہ امر کُن کی مخاطب شے ہے تو کیا شے خارج میں موجود تھی؟ اور اس کو "ہو جا" سے خطاب کیا گیا، موجود شے کو موجود ہو جانا کہنا کیا معنی ہے، تحصیل حاصل ہے تو پھر کیا شے معلوم تھی لیکن معلوم محض مخاطب کیسے بن سکتی ہے۔ اس وجہ سے معلوم ہوا کہ شے نہ موجود تھی اور نہ معدوم، تو پھر خطاب کس کو ہوا تھا۔ مخاطب کون تھا؟ اس گتھی کا حل صاف ہے۔ وہ شے جس کو ارادہ الٰہی خارجاً موجود کرنا چاہتا ہے، جو امر کن کی مخاطب ہے وہ شے کا تصور ہے جو حق تعالیٰ کے علم میں پایا جاتا ہے۔ جو اس طرح علماً ثابت ہے بوجود ذہنی یا علمی اور خارجاً موجود ہے بوجود واقعی۔"

اوراس آیت کو تائید میں پیش کرتے ہیں " وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۔ ہر شے قبل تخلیق اللہ تعالیٰ کی معلوم ہے، ان کا تصور ہے بالفاظ دیگر اس کا ثبوت علمی ذات حق میں محقق ہے۔ صور علمیہ حق ہیں اور یہی مرتبہ علم (باطن) سے مرتبہ عین (ظاہر) میں آنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جب امر کن سے اپنی اقتضا کے مطابق ظاہر ہوتی ہے تو مخلوق کہلاتی ہے " ۱۲

لیکن ڈاکٹر میر ولی الدین نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ اقبال پہلے ہی اس قسم کی عینیت کو رد کر چکے ہیں کیونکہ یہ انسان کو کاہل، خوابوں کی دنیا میں رہنے والا، اور حرکت سے دور کر دیتا ہے۔ اقبال حرکت اور تبدیلی میں یقین رکھتے ہیں۔ خواب اور کاہلیت میں نہیں۔ اس کے لیے زندگی ایک حقیقت ہے جو ہر لحظہ نئی شان اور آن لیے ہوتی ہے۔ زندگی اقبال کے لیے انقلابات اور تبدیلی کا نام ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں تڑپ اور حرکت ہے، اور ٹھہراؤ کا دور تک نام نہیں ہے۔

دمادم رواں ہے یم زندگی ہر اک شے سے پیدا رم زندگی

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج دود

فریب نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود

اقبال افلاطون اور یونانی تہذیب کو یک لخت رد کرنے اور اسلامی تہذیب کو اس سے قطعاً مختلف تصور کرنے کے بعد بھی اس حسن سے آنکھیں نہیں چراتے، اس سچائی سے انکار نہیں کرتے جو افلاطون اور یونانی تہذیب میں ہے۔

زمانے با ارسطو آشنا باش دمے با ساز بیکن ہم نوا باش

ولیکن از مقام شاں گزر کن مشو گم اندریں منزل سفر کن

میر ولی الدین — اقبال کے فلسفۂ خودی کے مقدمات، عالم اور معلوم ص ۱۲۰

Iqbal review Lahore.